سندھ کے صوفیائے کرام

سید پیر مراد شیرازی اور ان کا خاندان

مولانا اعجاز الحق قدوسی

سندھ کے نویں صدی ہجری کے بزرگوں میں جو شہرت و عظمت حضرت پیر مراد شیرازی کو حاصل ہوئی، وہ دوسروں کا حصّہ نہ بن سکی، انھوں نے سندھ میں صحیح مذہبی روح کو بیدار کرنے کی کوشش کی، اور اصلاحِ باطن پر خاص زور دیا، اُنھوں نے اس خطے میں رشد و ہدایت کا جو چراغ روشن کیا تھا، صدیاں گزرنے پر بھی اُس کی تابانی و نورانیت آج بھی موجود ہے۔

حواشی مکلی نامہ میں ہے کہ حضرت پیر مراد شیرازی کا اصل نام محمد حسین، اُن کے والد کا نام سید احمد تھا، جو اپنے والد سید محمد معروف بہ میراں محمد کے ساتھ بعض نامعلوم وجوہ سے ۷۸۷ھ میں اپنے وطن شیراز کو ترک کر کے سندھ پہنچے۔ صاحب تحفۃ الکرام میر علی شیر قانع ٹھٹوی نے ان کی آمد کا سال ۷۸۶ھ قرار دیا ہے، جس کی تاریخ بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم سے نکلتی ہے۔ معارف الانوار کے مؤلف مُلا محمد صالح ولد مُلا زکریا ٹھٹوی نے اُن کا سلسلۂ نسب اس طرح درج کیا ہے۔

سید محمد حسین (ولادت ۸۳۱ھ) بن سید احمد (ولادت ۷۵۷ھ شیراز میں۔ وفات ۸۴۵ھ)

بن سید محمد الحسینی شیرازی ثم سندھی (وفات ۱۰ محرم ۸۰۸ھ) بن سید محمود[1] (وفات ۷۵۲ھ۔ مدفن شیراز۔ عمر ۴۵ سال) بن سید محمد (وفات ۷۱۴ھ مدفن شیراز۔ عمر ۴۰ سال) بن شاہ محمود (وفات ۶۹۴ھ مدفن شیراز۔ عمر ۵۶ سال) بن سید ابراہیم (وفات ۶۴۵ھ مدفن شیراز عمر ۵۵ سال) بن سید قاسم[2] (وفات ۶۲۰ھ مدفن شیراز۔ عمر ۳۶ سال) بن سید زید (وفات ۶۰۹ھ۔ مدفن مکہ معظمہ۔ عمر ۳۴ سال) بن سید جعفر (وفات ۵۹۵ھ مدفن مکہ معظمہ۔ عمر ۶۱ سال) بن شاہ حمزہ (وفات ۵۴۹ھ مدفن کربلا۔ عمر ۴۲ سال) بن شاہ ہارون (وفات ۵۳۲ھ عمر ۴۲ سال) بن سید عقیل ثانی (وفات ۵۱۲ھ مدفن کربلا۔ عمر ۴۰ سال) بن سید جعفر برہان اللہ (وفات ۴۹۲ھ مدفن سامرہ۔ عمر ۶۰ سال) بن سید اسمٰعیل (وفات ۴۳۹ھ مدفن سامرہ۔ عمر ۷۹ سال)۔

حضرت مراد شیرازی کے دادا کی سندھ میں تشریف آوری۔

معارف الانوار میں ہے کہ اس خاندان کے سب سے پہلے فرد جو سندھ میں تشریف لائے، وہ پیر مراد کے دادا سید محمد تھے، جو مبارز الدین بن مظفر الدین کے عہدِ حکومت (۷۱۳ — ۷۵۹ھ) میں شیراز سے سندھ کے لئے روانہ ہوئے۔ حضرت سید محمد کے ساتھ مشہور شاعر حافظ شیرازی بھی تھے جو قندھار تک ان کے ساتھ تھے لیکن ان کے کہنے پر وہ قندھار سے واپس شیراز چلے گئے۔

---

[1] راشدی صاحب نے حواشی مکلی نامہ میں لکھا ہے کہ انہوں نے ایک سو سات کتابیں تصنیف کی تھیں (حواشی مکلی نامہ)۔

[2] سب سے پہلے ان کا لقب انجو پڑا۔ سید قاسم ۶۴۱ھ میں مکے سے شیراز آئے۔ شیراز کے جس محلے میں یہ آکر رہے اس کا نام بھی ان کے لقب کی وجہ سے محلہ سادات انجو پڑا، اور ان کی اولاد بھی سادات انجوی کہلائی، انجو بکسر الف کے معنی صاحب معارف الانوار نے سفید موتی کے لکھے ہیں، لیکن مکاتیب رشیدی (لاہور، ص ۱۶۸) پر ہے کہ انجو کے معنی خالصہ جات دیوانی کے ہیں، اور خالصہ کے املاک کو بھی انجو کہتے ہیں۔ تاریخ وصاف سے معلوم ہوتا ہے کہ ٹھٹے کی طرح شیراز کے ایک محلے کا نام بھی انجو ہے۔

سید محمد سندھ میں پہلے سیوھن آئے، اور حضرت قلندر شہباز کی زیارت کر کے سیدپور موضع مراد اوٹھی پرگنہ منچھر میں سکونت پذیر ہو گئے، یہ جام صلاح الدین بن جام تماچی بن جام انڑ کا عہد حکومت تھا، سید صاحب نے ستر سال کی عمر میں ۱۰ محرم الحرام ۸۰۰ھ کو وفات پائی۔ سید صاحب کی عمر سندھ میں آنے کے وقت انسٹھ سال تھی، اور اُن کے صاحبزادے سید احمد کی عمر تیس سال تھی۔

سندھ کی تاریخ کے محقق سید حسام الدین راشدی نے حواشی مکلی نامہ میں اس امر پہ بڑی وضاحت سے بحث کی ہے کہ اس خاندان کی آمد سندھ میں کس زمانے میں ہوئی۔

معارف الانوار میں سید محمد کے سندھ میں آنے کا سال ۷۸۰ھ بیان کیا گیا ہے، تحفۃ الکرام کے مؤلف میر علی شیر قانع ٹھٹوی نے مکلی نامہ میں اُن کی آمدِ سندھ کا سن ۷۸۶ھ قرار دیا ہے۔

راشدی صاحب کا کہنا ہے کہ اگر ہم اُن کی آمد کا سن ۷۸۶ھ صحیح مان لیں، تو صاحب مکلی نامہ میر علی شیر قانع کا یہ کہنا صحیح نہیں کہ اُن کی آمد مبارز الدین بن مظفر الدین کے عہد حکومت میں ہوئی، اس لئے کہ مبارز الدین حضرت سید محمد کے سندھ آنے سے ۲۱ سال پہلے وفات پا چکا تھا، مبارز الدین کی معزولی کے بعد اُس کا بیٹا محمد شجاع تخت نشین ہوا، جس کے متعلق حافظ شیرازی نے کئی شعر کہے ہیں، مثلاً

سحر ز ہاتف غیبم رسید مژدہ بگوش
کہ دورِ شاہ شجاع است می دلیر بنوش

رندی حافظ نہ گناہیست صعب
با کرم بادشہ عیب پوش

داور دیں شاہِ شجاع، آنکہ کرد
روحِ قدس حلقۂ امرش بگوش

اے مَلِکُ العرش مرادش بدہ
وز خطر چشم بدش دار گوش

شاہ شجاع کا زمانہ ۷۵۹ھ سے ۷۸۶ھ تک ہے، اس کے بعد اس کا بیٹا زین العابدین (۷۸۶ھ – ۷۸۹ھ) تخت نشین ہوا، جس کے بعد اس کے خاندان میں افتراق شروع ہوا۔ ۲۲ جمادی الآخر ۷۹۵ھ میں تیمور نے آلِ مظفر کا خاتمہ کر دیا۔ شاہ شجاع کے بعد ایران میں جو صورت حال پیدا ہوئی، اس کے متعلق ڈاکٹر غنی حافظ نے جلد اوّل میں لکھا ہے کہ:-

> شاہ شجاع نے ۷۸۶ھ میں وفات پائی، اس کی وفات کے بعد اس وجہ سے کہ اُس نے اپنی زندگی میں سلطنت کو اپنے پس ماندگان میں تقسیم کر دیا تھا، اس کے پس ماندگان میں سخت جنگ اور کشمکش ہوئی، جس کی وجہ سے سخت انتشار فارس، یزد، کرمان اور اصفہان میں پیدا ہوا جس کی جزئیات کا بیان کرنا حدِ تحریر سے باہر ہے۔
>
> اسی زمانے میں تیمور خونخوار نے شمالی ایران کے شہروں میں قتل و غارت گری شروع کی، اور اصفہان کو تاراج کر کے اور ان شہروں کو فتح کر کے اصفہان میں قتل عام شروع کیا، اور ستر ہزار آدمی قتل کر کے ان کی کھوپڑیوں کا ایک مینار بنایا، پھر وہاں سے فارس کا رُخ کیا، جس کی وجہ سے اہلِ شیراز سخت وحشت میں مبتلا ہو گئے۔

حواشی مکلی نامہ میں راشدی صاحب نے یہ اقتباس دینے کے بعد لکھا کہ شاہ شجاع نے ۷۸۶ھ میں وفات پائی، اسی سال وہاں کے حالات خراب ہونا شروع ہو گئے، اور ملک کا امن و امان ختم ہو گیا، ممکن ہے کہ اِس صورت حال کو دیکھ کر سید محمد نے ترک وطن کر کے سندھ کا ارادہ کیا ہو، جو اس زمانے میں امن کا گہوارہ تھا۔

حافظ شیرازی کی آمد کے متعلق تحقیق راشدی صاحب نے صاحب معارف الانوار کی اس روایت کو بھی قابلِ غور بتایا ہے کہ سید محمد کے ساتھ حافظ شیرازی بھی تھے جو سندھ کے ارادے سے اُن کے ساتھ قندھار تک آئے تھے، لیکن پھر کسی وجہ سے قندھار سے شیراز واپس چلے گئے، وہ لکھتے ہیں کہ یہ

روایت صرف صاحب معارف الانوار کی ہے۔ حافظ شیرازی کو ہندوستان آنے کی دعوت صرف دو دفعہ دی گئی، ایک مرتبہ یہ دعوت سلطان محمود بہمنی (۸۰ - ۷۹۹ھ) میں دی۔ چنانچہ فارسی نامہ ناصری میں ہے کہ:-

> ۷۸۲ھ میں سلطان محمود شاہ بہمنی نے خواجہ حافظ شیرازی سے ہندوستان آنے کی استدعا کی، اور سفر خرچ کے طور پر اُن کے لئے بہت سا نقد و جنس اُن کے لئے روانہ کیا، جس سے خواجہ حافظ نے اپنا قرض وغیرہ ادا کیا، اور ہندوستان کے سفر کے لئے روانہ ہوگئے۔

جس وقت حافظ بندر ہرموز پہنچے، اور کشتی میں چڑھے تو اتفاقاً شدید ہواؤں کے چلنے کی وجہ سے طوفان آگیا، حافظ اپنا ارادۂ سفر ملتوی کرکے شیراز واپس چلے آئے۔

حسین بڑمان نے حافظ کی سوانح عمری میں لکھا ہے کہ حافظ کو محمود شاہ بہمنی کی یہ دعوت ایک تاجر میر فضل اللہ انجو کے توسط سے ملی تھی، جس کے جواب میں حافظ نے یہ غزل لکھ کر اُسی تاجر کے ہاتھ بھجوائی۔

دمی باغم بسر بردن، جہاں یکسر نمی ارزد
بمی بفروش دلق ما کزیں بہتر نمی ارزد
بس آساں می نمود اول، غم دریا ببوی سود
غلط گفتم کہ یک موجش بصد گوہر نمی ارزد
شکوہ تاج سلطانی کہ بیم جاں درو درج است
کلاہ دلکش است اما بدرد سر نمی ارزد

سلطان محمود شاہ بہمنی کی طرف سے یہ دعوت خواجہ حافظ کو ۷۸۲ھ میں دی گئی تھی۔
اس کے بعد سلطان غیاث الدین (۹۲-۷۹۹ھ) والیٔ بنگال نے اپنی تخت نشینی کے کچھ سال پہلے حافظ کو بنگال آنے کی دعوت دی جس کے جواب میں حافظ نے اسے ایک غزل لکھ کر بھیجی، جس کے مشہور شعر یہ ہیں:-

ساقی حدیث سرو و گل و لالہ میرود	ویں بحث باثلاثۂ غسالہ میرود

شکر شکن شوند ہمہ طوطیانِ ہند   زین قندِ پارسی کہ بہ بنگالہ میرود

حافظ زشوقِ مجلسِ سلطان غیاث الدین
غافل مشو کہ کارِ تو ازنالہ میرود

صاحب فارس نامہ ناصری کا قول ہے کہ خواجہ حافظ شیرازی عمر بھر میں دو مرتبہ شیراز سے باہر گئے تھے، ایک مرتبہ وہ ہرموز گئے تھے اور دوسری مرتبہ انہوں نے یزد کا سفر کیا تھا۔ اس سفر میں انہوں نے اہل یزد کے ہاتھوں بہت تکلیفیں اٹھائی تھیں، ان تکالیف کو یاد کرکے انہوں نے اہل یزد کو خاطب کرتے ہوئے کہا ہے:۔

اے صبا با ساکنان شہر یزد از ما بگو
کای سرِ حق ناشناساں گوئی میدان شما

بعض ان کے تذکرہ نویسوں نے اس کا بھی احتمال ظاہر کیا ہے کہ انہوں نے خراسان کا بھی سفر کیا تھا، چنانچہ حسین پژمان لکھتا ہے کہ :۔

اس میں بہت اختلاف ہے کہ حافظ نے خراسان اور طوس کا سفر شاہرود اور بسطام کے راستے کیا تھا..... بعض ایسے دوسرے شواہد تاریخ میں ملتے ہیں کہ جو حافظ کے خراسان کے سفر کرنے کو حقیقت کے قریب کردیتے ہیں، ان میں سے ایک حافظ کی سابقہ عقیدت ہے جو انہیں حافظ زین الدین تابیادی سے تھی۔ یہ بزرگ تابیادمیں خزاف کے نزدیک خراسان میں رہتے تھے۔ اور دوسرے ان کی سابقہ عقیدت سید زین العابدین گنا بادی سے تھی، صاحبِ حبیب السیر نے لکھا ہے کہ یہ دونوں بزرگ سابقہ دوستی اور ارادت کی وجہ سے حافظ کی مدد کرتے رہتے تھے اور یہ ایک فطری امر ہے کہ یہ رابطہ اس وقت تک پیدا نہیں ہوسکتا جب تک کہ حافظ نے خراسان کا سفر نہ کیا، اور ان دونوں بزرگوں سے ملاقات اور دوستی کا شرف حاصل نہ کیا ہو۔

راشدی صاحب نے مندرجہ بالا اقتباس کو دیکر لکھا ہے کہ حافظ کے بزرگوں سے اس عقیدت مندانہ مزاج کو دیکھ کر یہ امکان ہوتا ہے کہ وہ حضرت سید محمد کو بربنائے عقیدت

قندھار تک آئے ہوں اور سید صاحب کے اصرار پر شیراز واپس چلے گئے ہوں۔

صاحب معارف الانوار کی سید صاحب کے سندھ آنے کے سلسلے میں جو روایت ہے اور جسے حواشی مکلی نامہ (سندھی) میں راشدی صاحب نے نقل کیا ہے، ہم اس کا ترجمہ بلفظہٖ یہاں نقل کرتے ہیں۔

> (سید محمد)..... اپنے چند ہمراہیوں سادات و مریدوں وغیرہ کے ساتھ جن کی تعداد پچیس تھی وہاں سے کوچ کر کے سندھ کی جانب روانہ ہوئے، ان کے جملہ ہمراہیوں میں سے ایک شیخ شمس الدین خواجہ حافظ شیرازی قدس اللہ سرہ بھی تھے جنہیں حضرت سید محمد نے یہ کہہ کر قندھار سے (شیراز) رخصت کر دیا تھا کہ تیری تاریخ "خاک مصلیٰ" [1] ہے اور حافظ روتے ہوئے وہاں سے رخصت ہوئے اور سید محمد وہاں سے روانہ ہو کر سیوستان پہنچے۔

راشدی صاحب نے خواجہ حافظ اور حضرت سید محمد کے سندھ کی آمد کے سلسلے میں مختلف تاریخوں اور تذکروں سے مندرجہ بالا اقتباسات دے کر لکھا کہ حافظ کے متعلق یہ ایک ایسا موضوع ہے کہ جس پر ابھی مزید تحقیق کی ضرورت ہے۔

سندھ میں سکونت اور حضرت سید محمد کی وفات۔ تحفۃ الکرام میں ہے کہ سید محمد ۷۸۶ھ میں جام صلاح الدین بن تماچی کے عہد میں سندھ تشریف لائے اور پرگنہ منچھر کے موضع مراد اوٹھی میں سکونت پذیر ہو گئے اور اسی موضع میں انہوں نے وفات پائی۔

سید احمد سید محمد کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادے سید احمد جو اپنے والد کے ساتھ شیراز سے آئے تھے اور اپنے وقت کے جلیل القدر بزرگ تھے، اسی موضع میں رہنے لگے۔ انہیں اہل اللہ اور صوفیائے کرام سے بے حد عقیدت تھی۔ چنانچہ ایک مرتبہ یہ حضرت شیخ عیسیٰ لنگوئی کی زیارت کے لئے ساموئی تشریف لائے، اتفاق سے اس وقت قاضی نعمت اللہ عباسی جو اپنے وقت کے بہت بڑے عالم تھے، وہ بھی شیخ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے۔ شیخ عیسیٰ ان کے ساتھ نہایت عزت و احترام کے ساتھ

---

[1] خاک مصلیٰ سے حافظ کی وفات کی صحیح تاریخ ۷۹۱ھ نکلتی ہے۔

پیش آئے ۔لیکن قاضی نے ان کی طرف مطلقاً توجہ نہ دی۔

جب حضرت سیّد احمد رخصت ہونے لگے تو شیخ عیسٰی نے ان کو رخصت کرتے وقت ان کی تعظیم پہلے سے بھی زیادہ کی قاضی نعمت اللہ نے ان کے جانے کے بعد شیخ سے ان کی اس قدر تعظیم وتکریم کی وجہ پوچھی، شیخ نے جواب دیا کہ مجھے ان کی پشت میں قطب زماں کا جلوہ دکھائی دیتا ہے۔ اگر میں اس وقت تک زندہ رہا تو ان سے مرید ہوں گا۔ ادھر حضرت سید احمد قاضی نعمت اللہ کی اس بے توجہی کو دیکھ کر ان سے سخت رنجیدہ روانہ ہوئے۔ قاضی نعمت اللہ ابھی گھر تک پہنچنے نہ پائے کہ ان کی بینائی جاتی رہی، رات کو ان کی صاحبزادی فاطمہ نے خواب میں دیکھا کہ اگر وہ سید احمد سے شادی کرے گی تو اس کے چار بیٹے پیدا ہوں گے جن میں سے ایک اپنی روحانیت سے دنیا کو منوّر کر دے گا۔

صبح کو قاضی نعمت اللہ نے یہ تمام واقعات شیخ عیسٰی لنگوٹی سے بیان کیے اور شیخ عیسٰی کے ذریعہ سے ان کی صاحبزادی کا نکاح حضرت سید احمد سے ہوا اور وہ اس کے بعد قاضی نعمت اللہ کے گھر ٹھٹے میں مقیم ہو گئے۔

درایت کی کسوٹی پر یہ روایت جس درجے کی ہے وہ ظاہر ہے، مگر اس سے اتنا پتہ ضرور چلتا ہے کہ قاضی نعمت اللہ کی بیٹی فاطمہ کا نکاح حضرت سید احمد سے ہوا۔

معارف الانوار کے مؤلف نے اس سلسلے میں جو لکھا ہے، ہم 'حواشی مکلی نامے' سے اس کا ترجمہ ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

> ۹۰۰ھ میں قاضی نعمت اللہ نے اپنی بیٹی کی منگنی حضرت سیّد احمد سے کی، اور جس نے بھی ان کے ساموئی میں آنے کی تاریخ اور قاضی نعمت اللہ عباسی کی بیٹی سے منگنی کی تاریخ 'بسم اللہ الرحمن الرحیم' (۷۸۶ھ) سے نکالی، بہترین نکالی۔

معارف الانوار کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس شادی کے وقت حضرت سید احمد کے والد سید محمد بھی حیات تھے، کیونکہ صاحب معارف الانوار نے لکھا کہ

> القصد میر سید محمد اور سید احمد شادی کے چند روز بعد موضع سید پور

روانہ ہوگئے، میر سید محمد اس موضع میں آنے کے بعد چند دن
حیات رہے..... سید محمد نے ۱۰ محرم الحرام ۹۸۰ھ کو سفر آخرت
اختیار کیا۔

۹۹۵ھ میں حضرت سید احمد کے فرزند ارجمند میر سید علی پیدا
ہوئے اس وقت ان کی عمر سترہ سال کی تھی۔

سید حسام الدین راشدی نے حواشی مکلی نامہ میں ان تمام روایات سے حسب ذیل نتائج نکالے ہیں۔

۱۔ سید احمد کی منگنی ۹۸۶ھ میں اور شادی ۹۹۰ھ میں ہوئی۔ ان کے پہلے صاحبزادے ۹۹۵ھ میں پیدا ہوئے، ان کے صاحبزادے کی ولادت کے وقت ان کی والدہ کی عمر سترہ سال کی تھی۔

۲۔ قاضی نعمت اللہ کی بیٹی اور سید احمد کی بیوی ۹۷۸ھ میں پیدا ہوئیں۔

۳۔ ۹۸۶ھ میں جب بی بی فاطمہ کی منگنی حضرت سید احمد سے ہوئی، اس وقت بی بی فاطمہ کی عمر نو سال تھی۔

۴۔ ۹۹۰ھ میں شادی کے وقت بی بی فاطمہ کی عمر بارہ سال تھی۔

۵۔ ۹۹۵ھ میں جب حضرت سید احمد کے پہلے صاحبزادے حضرت سید علی پیدا ہوئے اس وقت ان کی والدہ کی عمر سترہ سال تھی۔

حضرت سید احمد کی وفات

تحفۃ الکرام میں ہے کہ حضرت سید احمد نے یکم محرم ۱۰۴۵ھ میں وفات پائی اور مکلی میں عباسی قاضیوں کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔

حواشی مکلی نامہ میں سید حسام الدین راشدی نے لکھا کہ مکلی میں یہ قبرستان دراصل عباسی قاضیوں کا تھا، لیکن جب یہاں حضرت سید احمد مدفون ہوئے تو اس وقت سے یہ قبرستان انجوی شیرازیوں کے نام سے موسوم ہوا۔

حضرت سید احمد کے مقبرے کی تعمیر حواشی مکلی نامہ میں ہے کہ حضرت سید احمد کے پوتے حضرت سید علی ثانی نے اس وقت جب کہ ان کی عمر اکیاون سال کی تھی اپنے دادا کے مقبرے اور گنبد کو تعمیر کرایا، جس کی تاریخ "بحر کرم بحرم" سے نکلتی ہے۔ (۹۴۴ھ)

حضرت سید محمد کے جسد کی ٹھٹے میں منتقلی! تحفۃ الکرام میں ہے کہ یہ مقبرہ اس وقت تک اہل اللہ کی زیارت گاہ نہ بن سکا، جب تک کہ حضرت سید محمد کے جسد کو موضع مراد وٹھی سے یہاں منتقل نہ کیا گیا۔

اولاد حضرت سید احمد کی بی بی کے بطن سے حسب ذیل اولاد تھی۔ (۱) سیّد علی اول (۲) سید شریف (۳) سید جعفر (۴) سید محمد حسین معروف بہ پیر مراد شیرازی۔

آخر میں ہم اس مضمون کی ترتیب کے سلسلے میں اپنے عزیز دوست سید حسام الدین راشدی کے شکر گذار ہیں کہ اس مضمون کا تمام مواد ان کی تصنیف حواشی مکلی نامہ (سندھی) سے اخذ کیا گیا ہے، جو مکلی کے آثار پر نئی معلومات کا ایک بیش بہا خزانہ ہے، اور مکلی کے آثار پر لکھنے والوں کے لئے اس کتاب سے استفادہ کئے بغیر چارہ نہیں۔